Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:11 (1967)

مسئلہ امامت اور عورت[۱]

از جناب مولانا محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء ایم اے
صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی

[ماہنامہ برہان دہلی بابت فروری ۱۹۶۷ء سے شکریے کے ساتھ]

گذشتہ سال مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے مدراس کے ایک مسلم زنانہ کالج میں ایک نہایت شاندار مسجد کا افتتاح کیا تو بعض شورش پسندوں نے اس پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور انہوں نے کہا کہ عورتوں کے لئے نہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ اُن کے لئے امامت اور خطبہ دینا جائز ہے، یہ ہنگامہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو کے بعض ذمہ دار اخبارات میں اِس نوع کی تحریریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ اِسی واقعہ سے متاثر ہو کر ہمارے فاضل دوست مولانا محمد یوسف صاحب نے جو جنوبی ہند کے اکابر علماء میں سے ہیں پیشِ نظر مقالہ میں اس موضوع پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر برہان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کی طرح ابتدائے بعثت ہی سے نماز کا بڑا اہتمام کرتے تھے، فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں اتنی پڑھا کرتے تھے کہ بسا اوقات آپؐ کے پیروں پر زیادہ کھڑے رہنے کی وجہ سے ورم آجاتا تھا، آپؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی بیویوں کو نماز کی تاکید کریں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وأمر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها ط (اے نبی) اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کیجئے اور خود

---

[۱] یہاں مراد سیاسی امامت نہیں، بلکہ نماز کی امامت ہے۔ (فکر و نظر)

● مضمون کے شروع میں نفسِ نماز پر بحث ہے، اُسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (فکر و نظر)

لا نسئلک رزقًا ط نحن نرزقک ط والعاقبۃ للتقویٰ ٥ (طٰہٰ ۱۳۲)

بھی اس کے پابند رہیئے۔ ہم آپ سے روزی کمانا نہیں چاہتے، روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام پرہیزگاری کا ہے۔

ایک دوسری جگہ نبی کی بیویوں کو صاف حکم دیا گیا ہے :۔

واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ و اطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ٥ (احزاب ۳۳)

اے نبی کی بیویو! نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بے شک اللہ تم سے اے اہلِ بیت پلیدی کو دور کرنا چاہتا ہے اور تم کو پوری طرح پاک کرنا چاہتا ہے۔

نبی کی بیویاں امتِ مسلمہ کی مائیں ہیں، اُن کا ہر ایک فعل امتِ مسلمہ کے لئے شمعِ ھدایت کا درجہ رکھتا ہے اس لئے ہم مسلمانوں کا پکا عقیدہ ہے کہ اسلام کے تمام بنیادی احکام جس قدر مردوں کے لئے واجب التعمیل ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے بھی واجب العمل ہیں، بلکہ حدیثوں میں ہے کہ بچے اگر سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کریں اور اگر اس سلسلہ میں ان کو تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو تنبیہ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

احکامِ اسلام کی پیروی میں عورت اور مرد کا ایک درجہ ہے

قرآن مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احکامِ اسلام کے انجام دینے اور ان کی پیروی کرنے میں عورت اور مرد کی یکساں ذمہ داریاں ہیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں کے اوصافِ حسنہ گنائے گئے ہیں اور دونوں کو ایک ہی حیثیت دی گئی ہے، سورۃ احزاب میں ہے :۔

ان المسلمین والمسلمٰت والمومنین والمومنٰت والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرات والخٰشعین والخٰشعٰت والمتصدقین والمتصدقٰت والصٰئمین والصٰئمٰت والحٰفظین فروجھم و الحٰفظٰت والذٰکرین اللہ کثیراً

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے

والذٰکرات اعد اللّٰہ لھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا ○ (الاحزاب ۳۵)	والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے ان کے لئے بہت بڑی بخشش اور ثواب تیار کر رکھا ہے۔

اسلام، ایمان، عبادت، سچائی، صبر و تحمل، خشوع و خضوع، صدقہ و خیرات، روزہ، شرم گاہوں کی حفاظت، ذکر الٰہی، ان میں سے کوئی وصف بھی ایسا نہیں ہے جس میں مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہو، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے جس طرح مردوں کو ڈرایا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی ڈرایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وما کان لمؤمنٍ ولا مؤمنۃٍ اذا قضی اللّٰہ ورسولہٗ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہٗ فقد ضل ضلالًا مبینًا ○	اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو ان کو اپنا حکم چلانے کا اختیار حاصل ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

جماعت کی اہمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو انفرادی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت دی ہے۔ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا امتیازی نشان یہی ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اور ہفتہ میں ایک مرتبہ اور سال میں دو مرتبہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی جماعت میں شریک نہیں ہوتا تو اس کو منافق تصور کیا جاتا تھا۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا الفصل الثالث) حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ میں آگ جلانے کا حکم دوں اور پھر کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوتے، پھر ان کے گھر میں آگ لگا دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی یہ جان لے کہ نماز باجماعت کی فضیلت کیا ہے تو وہ فربہ گوشت کا ٹکڑا اور بکرے کے کھروں کو چھوڑ کر ضرور عشاء کی نماز میں شریک ہو جائے گا (مشکوٰۃ)۔

اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ملتا۔ تو کیا ایسی حالت میں میں اپنے گھر پر نماز پڑھ سکتا ہوں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں، اور جب وہ نابینا واپس جانے لگے تو انہیں پھر بلایا اور پوچھا کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ نابینا نے کہا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اذان کا بلاوا قبول کرو یعنی جماعت میں ضرور آؤ۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت ہے یہ سب اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے جماعتی فوائد سے محروم نہ رہ جائیں۔

جماعت کے ذریعہ تعلیم و تربیت

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ایک اہم مقصد لوگوں کی تعلیم و تربیت ہے تمام لوگ حتی کہ عورتیں اور بچے بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح و ارشادات سے مردوں کو جتنا فائدہ پہنچا ہے اتنا ہی عورتوں کو بھی ہوا ہے۔ آپ کی بدولت عورتیں عالم و فقیہہ بن گئیں۔ ان سے بیسیوں روایتیں حدیثوں میں موجود ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی صاحب زادیوں میں حضرت فاطمہ کا مرتبہ بہت اونچا تھا، عام عورتوں میں حضرت انس کی والدہ ام سلیم، ام عطیہ، ام العلا، ام شریک، ام الدردار، خولہ بنت حکیم، ام ہانی، اسمار بنت ابی بکر، اسمار بنت عمیس، ام حرام، ام کلثوم، ام الفضل لبابہ، ربیع بنت معوذ، فاطمہ بنت قیس، خولہ بنت ثعلبہ، ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاریہ، سعدہ بنت سعدہ وغیرہ کا نام گرامی لیا جا سکتا ہے، ان سب پر حضرت عائشہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے ان کا مدینہ کے سات فقیہوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے متعلق علما کا متفقہ فیصلہ ہے :-

کانت فقیھۃ عالمۃ فصیحۃ کثیرۃ الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عارفۃ بایام العرب واشعارھا۔ [1]	حضرت عائشہ فقیہہ، عالم فصیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والی اور ایام عرب کو اور ان کے اشعار کو جاننے والی تھیں۔

[1] شرح مواجب اللدینہ الجزء الثالث ۲۷۹۔

حضرت عائشہ کی بہت سی انفرادی اور مجتہدانہ رائیں تفسیر و حدیث و فقہ میں منقول ہیں۔ شرح مواہب اللدنیہ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۱ پر ہے:-

استقلت عائشة بالفتوی زمن ابی بکر و عمر وعثمان وهلم جرا الی آن ماتت۔	حضرت عائشہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے بعد بھی اپنی وفات تک مستقل فتوے دیتی رہی ہیں۔

جب باہر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد آتے تھے تو ان سے پوچھ کر بہت سی طبی معلومات حاصل کر لی تھیں اور بہت سی بیماریوں کا خود ہی علاج کر لیتی تھیں۔

اسی طرح حضرت حفصہ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ انہیں یاد ہو گیا تھا حضرت ابوبکر کے زمانے میں قرآن مجید کی تدوین ہوئی تو اس کا نسخہ حضرت حفصہ کے پاس ہی رکھا گیا تھا جن سے عاریتاً لے کر حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں کو روانہ کیا۔

حضرت ام سلمہ بھی قرآن کی ایک بڑی حد تک حافظ ہو چکی تھیں، ان سے کثیر روایتیں منقول ہیں اور فقہی مسائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کی روایتوں میں پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں اور صحابیات سے کثیر روایتیں منقول ہیں۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت درحقیقت آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کی مجلسوں میں باقاعدہ شریک ہونے ہی کا نتیجہ ہے۔

عورتوں کی جماعت میں شرکت عورتوں کی فطری کمزوریوں کی بنا پر اگرچہ آنحضرتؐ نے ان کو اپنے گھر پر رہ کر نماز پڑھنے کی رخصت دے دی تھی تاہم آپؐ کے زمانے میں کثرت کے ساتھ عورتیں جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اور پیچھے کی صف میں کھڑی ہوتی تھیں، ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی شریک ہوتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں:-

لقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الفجر فیشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات فی مروطهن ما یعرفهن احد (تجرید البخاری جلد اول ۷۱)	بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے آپؐ کے ساتھ مومن عورتیں بھی حاضر ہوتی تھیں، وہ اپنی چادروں میں لپٹی واپس ہوتی تھیں، کوئی ان کو پہچانتا نہیں تھا۔

یعنی ابھی اندھیرا ہوتا تھا کہ آپ نماز ختم فرماتے تھے۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ان عورتوں کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح فینصرف النساء متلففات بمروطھن مایعرفن من الغلس۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ پس عورتیں چادریں اوڑھی ہوئی واپس ہوتی تھیں اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

یہ عورتیں صرف فرض نمازوں ہی میں شریک نہیں ہوتی تھیں بلکہ سورج یا چاند گرہن کے موقع پر بھی جماعت میں شریک ہو جاتی تھیں، چنانچہ صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ میں بھی قضائے حاجت کے بعد نماز میں شریک ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طویل قیام کیا۔ اتنا کہ مجھ سے کھڑا نہ رہا جا سکا، میں نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر دیکھا کہ ایک بڑھیا بھی جو مجھ سے کمزور اور ضعیف تھی نماز میں شریک ہے، اس کو دیکھ کر میری ہمت بڑھ گئی، اور میں نے نماز پوری کی۔

حضرت عائشہ بھی جماعت کے ساتھ اس نماز میں شریک تھیں، جب حضرت اسماء نے ان سے نماز کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ سورج گرہن کی وجہ سے یہ نماز ہو رہی ہے۔

نماز میں بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر کر دیا کرتے تھے، تاکہ عورتوں کے دلی اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں کسی بچّہ کو روتا ہوا سنتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعت میں شریک ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا ایک مسلّمہ امر ہے جس سے انکار کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی، یہ دستور اب تک چلا جا رہا ہے، چنانچہ آج بھی بے شمار عورتیں مسجد حرام اور مسجدِ نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں اور کوئی ان کو اس سے روک نہیں سکتا۔

جماعت میں شرکت کی ترغیب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے پیچھے عورتوں کو نماز پڑھنے

کی اجازت دی، بلکہ مردوں کو عورتوں کے مسجدوں میں آنے سے روکنے سے بھی منع فرمایا۔ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس میں کئی حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

اذا استاذنت امرأة احدکم الی المسجد فلا یمنعها	جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد کو جانے کی اجازت چاہے تو اس کو چاہیئے کہ اسے نہ روکے۔

دوسری مرتبہ آپؐ نے فرمایا:-

لا تمنعوا اماء الله مساجد	اللہ کی لونڈیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔

اور ایک مرتبہ فرمایا:-

لا تمنعوا النساء من الخروج باللیل الی المساجد	عورتوں کو رات میں مسجدوں کی طرف جانے سے مت روکو۔

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:-

لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استاذنکم۔ (مشکوٰۃ)	عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حقوق سے جب کہ وہ تم سے اجازت طلب کرتی ہیں مت روکو۔

یہاں "حظوظهن من المساجد" (ان کے مسجدوں کے حقوق) کا فقرہ بہت ہی قابلِ غور ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مسجدوں میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا عورتوں کا طبعی اور فطری حق ہے، اگر وہ خود ہی اس حق سے دست بردار ہوتی ہیں تو ان کے لئے جائز ہے مگر کوئی دوسرا اُن کو اس حق کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

اس طبعی حق سے دست بردار ہونے سے انکار اسلامی تاریخ میں بعض شہادتیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ جب بعض مردوں نے اپنی فطری غیرت کی بنا پر اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنا چاہا تو ان کی عورتوں نے اس حق سے دست بردار ہونے سے بالکل انکار کردیا، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چچازاد بہن عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن ابی بکر کے مرنے کے بعد ۱۱ھ میں شادی کرلی تھی، وہ بہت خوب صورت تھیں، ہمیشہ مسجد نبوی میں حاضر ہوکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم گھر ہی پر رہ کر نماز پڑھو، حضرت عاتکہ نے کہا آپ

صریح حکم دیجئے میں رُک جاؤں گی۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے صریح حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے تھے۔ انھوں نے کہا میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ میری دلی خواہش ہے۔ حضرت عاتکہؓ نے کہا تو پھر میں جماعت کی نماز کو ترک نہیں کرسکتی۔ چناں چہ وہ آخر وقت تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی رہیں۔ جس دن ابولؤلؤ نے حضرت عمرؓ کو زہریلا خنجر مارا ہے اس وقت حضرت عاتکہؓ بھی حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز میں شریک تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ خود حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کا ہے انھوں نے ایک مرتبہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی اور کہا اے لوگو! اللہ کی لونڈیوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔ سامعین میں سے ان کے بیٹے بلال بھی تھے، انھوں نے جوش میں آکر کہا وَ اللّٰہِ لنمنعھنّ، خدا کی قسم ہم ان کو ضرور روکیں گے۔ یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن عمر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور انہیں ایسی گالیاں دیں کہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں دی تھیں۔ حضرت عبداللہ نے بہت ہی جھنجلا کر کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتا ہوں اور تم اس کی مخالفت کرتے ہو۔ امام احمدؒ کی مسند میں ہے کہ اس بات پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے بلال سے اتنا خفا ہوئے کہ مرتے دم تک ان سے کوئی بات چیت نہیں کی۔

اس سے صاف واضح ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اگر وہ خود ہی رک جائیں تو یہ اور بات ہے۔

عورت کی امامت عورتوں کے لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نہ صرف جماعت میں شریک ہوتی تھیں بلکہ آپؐ کی مجالسِ وعظ و نصیحت میں بھی شریک ہوتی تھیں اور آنحضرتؐ کی تعلیمات و ارشادات سے پورا استفادہ کرتی تھیں۔ آپؐ سے براہِ راست مسئلے مسائل دریافت کرتی تھیں، اور پھر اپنی دوسری بہنوں اور سہیلیوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کے لئے علیحدہ جماعت اور مسجد قائم کی جائے، تاہم بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے ہیں جب کہ عورتیں عورتوں کی امامت کرلیا کرتی تھیں، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے مغرب کی نماز میں عورتوں کی امامت کی ہے اور بیچ میں کھڑے ہوکر جہر کے ساتھ قرأت کی ہے۔ انھوں نے نفل نمازوں میں بھی عورتوں کی امامت کی ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے عصر کی نماز پڑھائی ہے اور عورتوں کی امامت کی ہے۔ اسی طرح رمضان کے مہینہ میں جماعت کے ساتھ عورتوں کی امامت کی ہے اور تراویح کی نماز پڑھائی

ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ عورت نفل یعنی تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر ان کی امامت کر سکتی ہے۔ انھوں نے اپنی ایک پڑھی ہوئی لونڈی کو حکم دیا تھا کہ رمضان کے مہینے میں ان کی بیویوں کی امامت کرے۔ اصابہ میں ہے کہ ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاری قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عورتوں کا امام بنا دیا تھا۔ آپؐ کی اجازت سے انھوں نے اپنے گھر ہی پر مسجد بنالی تھی۔ جہاں وہ رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک وہ تراویح پڑھاتی رہیں۔ ام ورقہ کے پاس ایک غلام اور لونڈی تھی، ام ورقہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم دونوں میری موت کے بعد آزاد ہو، ان دونوں نے جلدی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے ام ورقہ پر چادر ڈال کر ان کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ جب اس صبح کو ان کے قرآن سنانے کی آواز سنائی نہیں دی تو حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق دریافت کیا، پھر اندر جا کر دیکھا تو بیچاری چادر میں لپٹی مردہ پڑی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے غلام اور لونڈی کو گرفتار کیا اور بطور قصاص انھیں قتل کروا دیا۔

یہ تمام روایات اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں کہ عورتیں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں۔ اور قرآن اس بلند آواز سے پڑھ سکتی ہیں کہ دوسرے مرد بھی اس کو سن سکیں۔

عورتوں کی جنگ میں شرکت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں اپنی ضروریات کے لئے باہر جاتی تھیں، باغوں میں جاتی تھیں، کھجور کے پتے اور گٹھلیاں چن کر لاتی تھیں، بازاروں میں جا کر سودا خریدتی تھیں، سفر میں مردوں کا ساتھ دیتی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگوں میں بھی شریک ہوتی تھیں، غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہؓ، آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ شریک تھیں۔ صحیح مسلم کتاب السیر والجہاد میں احد کی جنگ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ دامن اٹھائے، گاگر اور مشکیزے لئے زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے پانی سے ان کے زخم دھوئے اور حصیر جلا کر اس کی راکھ سے زخموں کا منہ بند کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے خندق کی جنگ میں ایک فتنہ پرداز یہودی کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، اور رجب ۶ھ میں بنی قریظہ کی جنگ ہوئی ہے تو حضرت صفیہ، ام عمارہ، ام سلیط، ام العلاء، ہمیرا، بنت قیس اور سعد بن معاذ کی والدہ کبشہ بنت رافع بن علید الانصاریہ بھی اس میں شریک ہوئیں (دیکھو شرح مواہب اللدنیہ الجزء الثانی صفحہ ۱۶۵ - ۱۶۶)

اسی طرح کبیسہ بنت سعید الاسلمیہ خیبر کی جنگ میں شریک رہیں۔ حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم غزوۂ حنین میں شریک ہوئیں۔ انھوں نے ایک تیز دو دھاری خنجر تیار کیا تھا۔ ام سلیم کے شوہر ابو طلحہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ کے پوچھنے پر ام سلیم نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے یہ خنجر اس لئے تیار کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو اس سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالوں۔ یہ سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ صحیح مسلم کتاب السیر والجہاد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جاتے تو ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ مجاہدین کو پانی پلائیں اور زخمیوں کا علاج کریں۔ انصار کی عورتوں میں ام عطیہ نسیبہ بنت کعب بہت نامور تھیں اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلفائے راشدین کے زمانے میں عورتیں جنگ میں شریک ہوتی رہی ہیں۔ جب یرموک کی لڑائی میں بڑا گھمسان کا رن پڑا ہے اور کچھ مسلمان سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے تو خولہ نامی ایک عورت نے خیمہ کی ایک کھونٹی اکھاڑ لی اور رومیوں پر حملہ شروع کیا۔ انھوں نے یہ مشہور شعر پڑھ کر مسلمان سپاہیوں کو آگے بڑھانا شروع کیا:-

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات　　　رمیت بالسھم و بالمنیات

(اے پرہیزگار عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والے　　　تو تیر اور موت سے مارا جائے)

قادسیہ کی جنگ میں عرب کی مشہور خطیب اور شاعرہ خنسا بھی شریک ہوئی تھیں جن کے خطبے تاریخ و ادب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور بہت سی عورتیں شریک ہوئی تھیں اسی طرح صفین کی جنگ میں سودہ بنت عمارہ بن الاشتر الہمدانیہ، ام سنان بنت خیثمہ، بکارۃ البلالیہ عکرشہ بنت الاطرش ام الخیر بنت الحریش اور زرقاء بنت عدی بن قیس الہمدانیہ جیسی عورتیں شریک ہوئی تھیں۔ ان کے پرزور خطبے اور فقرے ادب کی کتابوں میں منقول ہیں۔

عورتوں کے لئے علیحدہ مکتب اور مدرسے قائم نہ ہونے کی وجہ

اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کچھ اس طرح کام کرتی تھیں کہ ان کے لئے علیحدہ مکتب اور مدرسے قائم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالسِ وعظ و نصیحت میں شریک ہوتی تھیں اور اُن کو دل و دماغ میں محفوظ کر لیتی تھیں۔ انہیں کسی مدرسے میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، گھروں میں چھوٹے چھوٹے مکتب تھے۔ جہاں بچیاں قرآن مجید پڑھ لیتی تھیں ان کا اپنا گھر ہی مکتب اور مدرسہ تھا۔ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو پیش کرتے تھے اور عورتیں اور بچے ان سے سیکھ کر اپنی زندگی درست کر لیتے تھے، گھر کا کام کاج سنبھالنے کے سوا عورتوں کا کچھ اور کام نہیں تھا انہیں خود کمانے کی ضرورت نہیں تھی، مرد اُن کے خرچ و اخراجات کے کفیل تھے، مسلمانوں کی روز افزوں دولت نے معاش کی طرف سے ان کو فارغ البال بنا دیا تھا۔ اکثر عورتیں اپنے گھر ہی پر نماز پڑھ لیا کرتی تھیں۔ بعض مسجدوں میں جاتی تھیں اور حکومت کی طرف سے مقررہ امام کے پیچھے نماز ادا کر لیا تھیں۔ اس زمانے میں یہ مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوا کہ عورتوں کے لئے کوئی علیٰحدہ مسجد یا مدرسہ قائم کیا جائے۔

لیکن زمانہ جیسا گذرتا گیا عورتیں گھروں ہی پر رہنے لگیں۔ مردوں نے اپنی مردانہ غیرت و حمیت کے پیشِ نظر ان کو مجامع عام کی شرکت سے روکنا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں بعض ایسی حدیثیں پیش کی جانے لگیں جو محض بعض کی ذاتی رائے تھی مثلاً صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عائشہؓ کی بھتیجی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی یہ روایت کہ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشاھدہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی نئی باتیں پیدا کر رکھی ہیں تو آپ ضرور ان کو مسجد میں آنے سے منع فرما دیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

یہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کا ایک ذاتی تاثر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دولت کی وجہ سے ان کے لباس اور وضع و قطع میں پرانی سادگی باقی نہیں رہی تھی، عورتیں زیب و زینت کی طرف زیادہ مائل ہو چکی تھیں، اور ایسا ہونا درحقیقت تمدن کی ترقی کا لازمی نتیجہ تھا، اسی کا خیال کر کے بعض علماء عورتوں کو مسجدوں اور مجامعِ عام سے روکنے پر آمادہ ہو گئے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے فقہاء نے اسی بنا پر عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہی فتویٰ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں نقل ہو گیا، چنانچہ آج تک اسی فتوے کی پیروی میں عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ابن حزم کی تنقید | جب پانچویں صدی ہجری میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کا سوال پیدا

ہوا تو ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے ان حدیثوں پر سخت تنقید کی اور صاف لکھا ہے :۔

وقد اتفق جمیع اھل الارض ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یمنع النساء قط عن الصلوٰۃ معہ فی مسجدہ إلی أن مات علیہ السلام ولا الخلفاء الراشدون بعدہ فصح انہ عمل غیر منسوخ ۔ (المحلی الثالث ۱۳۸)	تمام روئے زمین کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنی مسجد میں اپنے ساتھ نماز پڑھنے سے ہرگز نہیں روکا ۔ آپ کی وفات تک یہی عمل رہا اور نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس سے روکا ۔ پس صحیح یہی ہے کہ یہ عمل غیر منسوخ ہے ۔

ابن حزم تو صاف لکھتے ہیں :۔

والآثار فی حضور النساء صلاۃ الجماعۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم متواترۃ فی غایۃ الصحۃ لا ینکر ذٰلک إلا جاھل ۔ (المحلی الثالث ۱۹۸)	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتوں کے نماز باجماعت میں حاضر ہونے کے متعلق اتنی متواتر اور حد درجہ صحیح حدیثیں ہیں کہ ان کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو جاہل ہے ۔

ابن حزم نے عورت کی امامت، اذان اور اقامت کے مسئلے پر کئی جگہ بحث کی ہے ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ صحابہ و تابعین کا فتویٰ اسی پر تھا کہ عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا سکتی ہے [1] ۔

ابن حزم نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں پر اذان اور اقامت واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ اذان اور اقامت کہنا چاہیں تو یہ بہتر ہی ہے :۔

ولا اذان علی النساء ولا اقامۃ فان اذن واقمن فحسن ۔ (المحلی الثالث ۱۲۹)	عورتوں پر نہ تو اذان واجب ہے اور نہ اقامت ۔ پس اگر وہ اذان اور اقامت کہیں تو یہ اچھا ہی ہے ۔

پھر فقہاء کی تقلیدی رائے اور ان کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہ عورتیں نہ تو فرض نماز میں اور نہ نوافل میں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں ۔ لکھتے ہیں :۔

---

[1] المحلی الثالث ۱۲۸ ۔

وھذا قول لا دلیل علی صحتہ و خلاف لطائفۃ من الصحابۃ لا یعلم لھم من الصحابۃ رضی اللہ عنھم مخالف وھم یشیعون ھذا اذا وافق تقلیدھم۔

اور فقہاء کا یہ قول ایسا ہے کہ اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے خلاف بھی ہے اور صحابہ کا یہ قول ایسا ہے کہ اس میں کسی صحابی کی مخالفت موجود نہیں ہے، یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو محض اس لئے شہرت دیتے ہیں کہ یہ ان کی تقلیدی رائے کے موافق ہے۔

جب پانچویں صدی ہجری میں ہی یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہو سکا تو آج کی جدید ترقی یافتہ دنیا کیوں کر اس فتوے کو قبول کر سکتی ہے ؟

سماجی نقائص کا اسلام ذمہ دار نہیں

تعلیم و تعلم اور تربیت کے لحاظ سے اسلام مردوں اور عورتوں کو یکساں درجہ دیتا ہے، علم کا حاصل کرنا جیسا مردوں پر فرض ہے ویسا ہی عورتوں پر بھی فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں خدا کے نیک بندے بنیں اور ان تمام اوصافِ حسنہ سے متصف ہوں، جن کی تفصیل إن المسلمین والمسلمات الخ کی آیت میں پیش کی گئی ہے مگر امتدادِ زمانہ سے مسلمانوں کی زندگی کچھ اس طرح ڈھل گئی کہ عورتیں زندگی کی دوڑ میں مردوں سے پیچھے ہوگئیں ان کے لئے یہ ضروری نہ رہا کہ وہ مردوں کے دوش بدوش علم حاصل کریں اور قوم اور وطن کی اعلیٰ پیمانے پر خدمت انجام دیں، ان کا کام صرف اتنا ہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے گھروں پر رہ کر مردوں کی اطاعت وفرماں برداری کریں، اپنے بال بچوں کی نگرانی اور حفاظت کریں اور گھر کا کام سنبھالیں، ان سے اتنی ہی توقع کی جاتی تھی وہ صحیح طور پر کلمہ پڑھ سکیں اور نماز و روزے کی پابند رہیں اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں، چنانچہ ان کی تعلیم قرآن ناظرہ اور چند فقہی مسائل کے جاننے سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ مرد بچوں کے لئے تو بیسیوں اور سینکڑوں مدرسے قائم کئے گئے مگر عورت بچیوں کے لئے گنتی کے چند مدرسے بھی قائم نہ ہو سکے، اگر کہیں ان کے لئے مدرسے قائم ہوئے بھی تو ان کا معیار مرد بچوں کے مدرسوں جیسا نہیں ہو سکا۔ مسلمانوں کے یہ سماجی نقائص خود ان کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلام ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔

ہر نئی تحریک اصلاح کی مخالفت

حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہمارے عوام تنگ نظر علمار کے زیر اثر ہر دور میں ہر نئی بات کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں، آج سے تقریباً سوا سو سال پیشتر اسی شہر مدراس اور اس کے اطراف و اکناف میں ایک عام خیال اور عقیدہ یہ تھا کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا حرام ہے جو لڑکی لکھنا سیکھنا چاہتی اس کو سخت تنبیہہ کی جاتی تھی، اس سلسلے میں کئی من گھڑت دلیلیں پیش کی جاتی تھیں، ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ دین اسلام بھی اسی عقیدے اور خیال کی تائید کرتا ہے۔ مگر اس وقت ہمارے اس شہر کے مشہور عالم مولانا مولوی محمد صبغۃ اللہ نے جو قاضی بدرالدولہ کے عرف سے مشہور ہیں اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالۂ تعلیم النساءِ الکتابۃ کے نام سے لکھا جس میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز پر بہت سی شرعی دلیلیں پیش کی ہیں، پھر بھی عوام نے ان کی دلیلوں کو نہیں مانا، اس غلط خیال کو دور کرنے کے لئے یہاں کے مصلحین کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔

اس کے بعد خود تعلیم کا مسئلہ کھڑا ہوا، مسلمانوں کے مدرسے عام طور پر دینی اور یونانی عقلی علوم پر مشتمل تھے جہاں عربی ادب تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم دی جاتی تھی، اور وہ بھی مردوں کی حد تک پڑھانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں فرض کفایہ میں داخل تھیں۔ حالاں کہ جہالت ہی عورتوں کے لئے سب سے بڑی آفت تھی۔ اگر صحیح تعلیم نہ ہو تو وہ ہمہ قسم کے بے بنیاد عقیدوں اور نظریوں کا شکار ہو جاتی تھیں۔ بھوت پریت۔ جن اور خبیث ٹونا اور ٹوٹکا جھاڑ پھونک، سحر اور جادو۔ غرض دنیا کی بے بنیاد سے بے بنیاد چیز ایسی نہیں ہوتی جو ان کی امیدوں کا سہارا نہ ہوتی ہو۔ اگر بچے کی طبیعت بگڑی تو فوراً خیال کیا کہ اس کو سایہ ہو گیا ہے، کسی کے پیر میں موچ آگئی تو کہہ دیا کہ اس کو نظر لگ گئی، خفقان ہو گیا تو تصور کر لیا کہ اس پر جادو اور سحر ہو گیا ہے، باقاعدہ طبی علاج کرنے کے بجائے نمک مرچ سر پر سے وار کر چولہے میں پھینکا جاتا تھا، بدن پر سل کا بٹہ پھیرا جاتا تھا اور اس کو زمین پر پٹکا جاتا تھا۔ کسی پیر یا پجاری کے پاس پہنچ کر اس کو نیم کے پتوں سے جھاڑا جاتا تھا۔ غرض کون سا احمقانہ فعل ایسا ہے جو ایسے موقعوں پر نہ کیا جاتا ہو، پچھلی صدیوں میں یہ جہالت عام تھی اور اب تک اس کے آثار پائے جاتے ہیں کسی کو یہ احساس نہیں ہو سکا کہ یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے اگر احساس پیدا بھی ہوا تو عورتوں کو حقیقی تعلیم دینے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی، ہر جگہ مردوں کے لئے تو کئی عربی دینی مدرسے قائم کئے جاتے رہے مگر عورتوں کے لئے اعلیٰ معیار کا ایک مدرسہ بھی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اس افسوس ناک حالت کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

اور جب دینی علم کے ساتھ دنیوی علوم کے حصول کی ترغیب دی گئی تو مخالفت کا وہ طوفان اُٹھا کہ الامان والحفیظ۔ اس وقت حامیانِ علوم جدیدہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور مسلمان نوجوانوں کو ان سے روکنے کی کوشش کی گئی مگر ملک کے مصلحین نے بروقت اس کے متعلق تنبیہہ کی اور ان کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، تاآں کہ دقیانوسیت اور تعصب کا بادل چھٹتا گیا اور علوم جدیدہ کی روشنی نمایاں ہوتی گئی۔ ملک بھر میں کئی اسکول قائم ہوئے پھر ان کے لئے کالج کھولے گئے اور پھر یونیورسٹیوں کے اندر اعلیٰ تعلیم کی انھیں رغبت دلائی گئی، رفتہ رفتہ مسلمان لڑکے ان علوم جدیدہ کی طرف مائل ہوتے گئے اور اب ایک بڑی تعداد ان علوم کو حاصل کر رہی ہے۔

لڑکیاں ابتدا میں نہ تو ان علوم کی طرف مائل تھیں اور نہ ان کو ان کے حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی جاتی تھی، مگر جب ان کے لئے چھوٹے چھوٹے انگریزی مدرسے قائم ہوگئے تو ذہین لڑکیاں خود بخود آگے بڑھنے لگیں جب وہ ایس ایس ایل سی تک پہنچ چکیں تو ان کے اندر کالج میں داخل ہوکر پڑھنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگیا۔ مدراس میں مسلمان لڑکیوں کے لئے بارلٹس گرلس ہائی اسکول قائم تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ دوسرے اسکولوں میں بھی ان کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ ایس ایس ایل سی کے بعد وہ اکثر گورنمنٹ کالج فار مسلم گرلس میں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرنے لگیں، یہی کالج بعد میں ایتھراج کالج ہوگیا جہاں دس سال تک اردو سکنڈ لینگویج کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس پرائیویٹ کالج کے اربابِ اقتدار نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ اس کالج سے اردو ختم کردی جائے۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ اُردو لکچرار کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ لڑکیاں مجبوراً مختلف کالجوں میں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرنے لگیں، لیکن جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھنے لگی ان سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں کے دروازے ان مسلمان لڑکیوں پر بند ہوتے چلے گئے۔ اس شدید ضرورت کا احساس کرکے سدرن انڈیا ایجوکیشنل ٹرسٹ مدراس نے جنوری ۱۹۵۵ء میں ایک ویمنس کالج قائم کیا جہاں ان مسلمان لڑکیوں کے لئے ہر قسم کی آسانی فراہم کی گئی۔ گذشتہ گیارہ سال میں اس کالج نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ ہر حیثیت سے قابلِ تعریف ہے۔ کئی عمدہ اور نفیس عمارتیں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ تعمیر ہوچکی ہیں۔ عمدگی اور نفاست کے لحاظ سے ملک بھر میں ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

اس کالج کے وجود میں آنے کے بعد مسلمان لڑکیوں کے لئے بہت سی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، اور

اب وہ لڑکیاں زندگی کی دوڑ میں مردوں کے دوش بدوش جدید علوم سے آراستہ ہونا چاہتی ہیں، کس کی طاقت ہے کہ ان کو آگے بڑھنے سے روکے۔

دینی اور دنیوی علوم کی تمیز اور ان کا فرق

اگر مسلمانوں میں دوربینی اور بصیرت ہوتی تو وہ دینی اور دنیوی علوم کی تمیز اور ان کے فرق کو ابتدا ہی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک طرف حکومتِ وقت اور اس کے ہم نوا علوم جدیدہ کو پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف تنگ نظر علما، قدیم شرعی علوم اور عقلی فنون کو پڑھانے کا انتظام کر رہے تھے، ان دونوں قسم کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جو طبعی خلا، پیدا ہو رہا تھا، اس کو پاٹنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی، ہمارے علما، یہ سمجھتے تھے اور اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل ہی ہماری نجات کی ذمہ دار ہے، علوم جدیدہ کے حامی یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے حصول کے بغیر ہم مسلمان زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے بازی نہیں لے جا سکتے، ایک طرف گنتی کے چند عربی دینی مدرسے قائم ہیں جہاں طلبا، کی تعداد سو سوا سو یا زیادہ سے زیادہ دو سو کی ہے۔ دوسری طرف انگریزی کے مدرسے اور کالج ہیں جہاں سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، ان دونوں کی طبیعتوں آرزوؤں، حوصلوں اور امنگوں کے درمیان جو زبردست فرق پایا جاتا ہے اس کو ہر صاحب نظر پوری طرح محسوس کر سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے عربی طلبہ جب تک مدرسے کی چہار دیواری میں رہتے ہیں۔ آئندہ زندگی کی تکالیف سے واقف نہیں ہوتے اور جب پڑھ کر باہر آتے ہیں تو ان کے سامنے سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ ان کی دوڑ امامت اور خطابت یا مدرسی سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بعض نے ان آنے والی مصیبتوں کا احساس کر کے یونانی طب کی طرف توجہ کی۔ مگر آج کی جدید طب کی ترقی نے انہیں بھی اس میدان میں شکستِ فاش دے دی ہے۔

جدید نظام تعلیم کے نتائج

یہ جدید نظام تعلیم جو اس وقت ملک میں چل رہا ہے درحقیقت یورپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ نہ صرف ہندوستان ہی میں رائج ہے بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں بھی رائج ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس نظام تعلیم سے جہاں بہت سے عقیدوں اور نظریوں کو زبردست ٹھیس لگی ہے وہاں مختلف اقوام کی قدیم عادات و اطوار کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے، اس نظام تعلیم کے اثرات سے مسلمان بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ عام مسلمانوں کی خواہش اور زبردست خواہش یہی تھی کہ ان کی عورتیں اور لڑکیاں پردے میں بیٹھی رہیں مگر ملک کے تعلیمی اور سماجی انقلاب نے انہیں علوم جدیدہ کے حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاکہ وہ

اپنے آپ کو اس قابل بنالیں کہ اپنا پیٹ پالنے کی خاطر کسی کی محتاج نہ ہوں، یہاں جو پردہ رائج تھا، وہ اسلامی پردہ نہیں تھا، اسلامی پردہ یہی تھا کہ عورتیں اپنا بدن ڈھانپیں اور اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھیں اور پھر اپنی ضروریات کے لیے باہر جائیں اور جو چاہیں کام کریں، صحیح پردہ وہی ہے جو آج حج کے دنوں میں مکہ اور مدینہ میں پایا جاتا ہے مگر چوں کہ یہاں مخلوط نظامِ تعلیم رائج ہو چلا تھا اس لئے یہ قدیم رواجی پردہ بھی بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکا، لڑکیاں دھیرے دھیرے قدیم رواجی پردے کو چھوڑ کر عام ملکی لباس اختیار کرنے لگیں، اور آج تعلیم یافتہ لڑکیوں میں قدیم برقعہ والا پردہ بہت کم پایا جاتا ہے، اور اب وہ عورتیں بھی اس کو چھوڑنے پر آمادہ نظر آ رہی ہیں جو افلاس اور تنگ دستی کی مصیبتوں کو برداشت کرنا نہیں چاہتیں۔ اس قدیم رواجی پردے کی وہی حمایت کر سکتا ہے جو عقیدتاً اس کا حامی ہو یا اتنا فارغ البال اور خوش حال ہو کہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گاڑی میں بھیجنے کا انتظام کر سکتا ہو۔ عام اور متوسط طبقے کی عورتیں پردہ کے غیر ضروری اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں، وہ قدیم رواجی پردے کے ساتھ آج کی تیز رفتار ریلوں، بسوں اور ہوائی جہازوں میں سفر نہیں کر سکتیں، اگر یہ قدیم پردہ ٹوٹتا ہے تو اس کا الزام کسی عمرو اور بکر کے اوپر نہیں ہے بلکہ جدید تمدّن اور جدید علوم وفنون کی ترویج کا لازمی نتیجہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر جیسے اسلامی ملک میں جہاں دینی اور شرعی علوم کے سرچشمے بہتے ہیں یہ قدیم رواجی پردہ قائم نہیں رہ سکا۔ تمام نوجوان لڑکیاں باہر آ چکی ہیں اور کسی کے روکے سے نہیں رک رہی ہیں اور جب مصری حکومت نے کہیں لڑکیوں کو علیحدہ رکھنا چاہا تو خود لڑکیوں نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا، مثلاً ۱۹۵۰ء میں اسیوط میں نئی یونیورسٹی قائم ہوئی اور لڑکیوں کو لڑکوں کے پیچھے کلاس میں بیٹھنے کی تاکید کی گئی تو پہلے ہی دن ایک لڑکی سامنے آ بیٹھی، جب اُستاد نے قانون کے مطابق پیچھے بیٹھنے کی تاکید کی تو اس لڑکی نے اس قانون کی پیروی کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ معاملہ اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر حزین کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے بلا کر تحقیق کی۔ لڑکی کے دلائل سننے کے بعد حزین نے فیصلہ کر دیا کہ اگر لڑکیاں اس قانون کو نہیں مان رہی ہیں تو حکومتِ وقت انھیں اس قانون کے ماننے پر اصرار نہیں کر سکتی۔ چناں چہ پہلے ہی دن یہ قانون ٹوٹ گیا۔ وہاں لڑکیاں ہر ایک جدید علم وفن میں لڑکوں کے برابر مہارت حاصل کر رہی ہیں، خود علماء کی لڑکیاں ڈاکٹری اور انجینئرنگ کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور بے پردہ

کلاسوں میں حاضر ہو رہی ہیں۔ جب علماء ہی اپنی لڑکیوں کو جدید اعلیٰ تعلیم کے حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے تو عوام کس طرح اپنی لڑکیوں کو روک سکتے ہیں۔ اگر بعض مسلمان اس جدید صورتِ حال سے خفا ہیں تو اپنے گھروں پر بیٹھ کر اس صورتِ حال کا ماتم کریں۔ لیکن انھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس صورت حال کو بدلنے کی ان کے پاس ہرگز ہرگز کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

مسجد اخلاقی تربیت کا ایک بڑا مرکز ہے

موجودہ زمانے میں جب کہ دینی اور اخلاقی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کے نصابِ تعلیم سے خارج ہو چکی ہے ہمیں اس کے انتظام کی کوئی مناسب شکل نکالنی چاہیئے، اس وقت دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے مسجد سے بڑھ کر دوسرا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، مدرسہ اور مسجد کا رشتہ بہت ہی قدیم رشتہ ہے یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ بہت قدیم اور پُرانا نظریہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات وارشادات کا مرکز مسجد نبوی ہی تھی، حضرت امام مالکؒ مسجد ہی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ مصر کا قدیم ترین جامعہ ازہر مسجد ہی کے ساتھ ملحق تھا۔ دمشق کی جامع مسجد میں وہاں کا مشہور عربی مدرسہ کام کر رہا تھا۔ بغداد کی جامع مسجد میں عربی کا بہترین مدرسہ قائم تھا۔ ہندوستان میں بھی جتنے عربی مدرسے یکے بعد دیگرے قائم ہوئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک مسجد ملحق تھی۔ علی گڈھ میں انگریزی کالج قائم ہوا تو سر سید احمد خاں مرحوم نے اس کے احاطے میں ایک شان دار مسجد تعمیر کی۔ مدراس میں مدرسہ اعظم اور پھر محمڈن کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد ضرور بنائی گئی۔ وانمباڑی میں اسلامیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک شان دار مسجد تعمیر کی گئی۔ کرنول میں عثمانیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک مسجد بھی موجود تھی۔ ابھی حال میں مدراس میں نیو کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد لازم تصور کی گئی اور پھر ترچناپلی میں جمال محمد کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک عظیم الشان مسجد بنائی گئی۔ اور جب لڑکیوں کے لئے مدراس میں ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج قائم ہوا تو ایک شاندار مسجد کی ضرورت سے کسی کو کیا انکار ہو سکتا ہے، ہم مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ جو اصلاحی کام ماں باپ کے ہاتھوں سے نہیں ہو رہا ہے وہ ایک ادارے اور کالج کے ذریعے انجام پا رہا ہے۔ ہم سب کو عالی جناب الحاج جسٹس بشیر احمد صاحب سعید اور ان کی اہلیہ محترمہ الحاج فاطمہ اختر صاحبہ اور مجلس منتظمہ کے ارکین کا بے حد شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے نہ صرف وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کیا بلکہ اس کو پورا کر کے دکھایا ہے۔ یہ مسجد نہ صرف شاندار ہے بلکہ موجودہ فنِ تعمیر کا ایک بہترین شاہکار بھی ہے، اس موقع پر ہم ان سب کی خدمات میں دلی مبارک باد پیش کرتے

ہوئے ایک اہم ضروری بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

مسجد کا انتظام لازمی طور پر لڑکیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے

ظاہر ہے کہ یہ مسجد لڑکیوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے بنائی گئی ہے، یہاں مردوں کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے، ہمارا روزمرّہ کا تجربہ اس بات کا شاھد ہے کہ نوجوان یا بوڑھے مردان لڑکیوں کی اتنی اصلاح نہیں کر سکتے جتنی کہ خود لڑکیاں اپنی اور اپنی بہنوں کی اصلاح کر سکتی ہیں، جناب بشیر احمد صاحب سعید نے گزشتہ چند سالوں میں خارجی اوقات میں دینی اور اخلاقی لکچروں کا انتظام کیا تھا، اور چند مخصوص علماء کو یہاں آکر دین اور اخلاق کے موضوعات پر تقریریں کرنے کی دعوت دی تھی، یہ لوگ چند گھنٹوں کے لئے یہاں آتے ہیں اور پھر تقریریں کرکے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، ان کا ان لڑکیوں پر کوئی دیرپا اثر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ لڑکیاں بسا اوقات ایک کان سے سنتی ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتی ہیں۔ اس لئے اذان۔ اقامت۔ امامت۔ خطابت وغیرہ کی ذمہ داریاں تمام تر ایسی لڑکیوں پر ہونی چاہئیں جو دن بھر ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ جب یہ ذمہ داریاں ان پر عائد کی جائیں گی تو وہ لازمی طور پر اسلام اور اس کی تعلیمات کو بخوبی سمجھ کر اپنی بہنوں کے درمیان ان کو اشاعت کرنے پر آمادہ ہوں گی مثل مشہور ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ہر ایک ذمہ دار لڑکی دوسری لڑکی کے لئے شمع ہدایت کا باعث ہوگی۔ اس طرح دینی اور اخلاقی اصلاح کی وہ آواز جو مردوں کے ذریعہ بے سود دکھائی دیتی ہے۔ لڑکیوں ہی کے ذریعہ بے حد مفید اور سود مند ثابت ہوگی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمان تنگ نظری کے جنجال سے باہر نکلیں اور اس قسم کے قومی دینی اور ملّی مسائل پر کھلے ہوئے دل و دماغ سے غور کریں۔

بعض شبہات کا ازالہ

عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیساکہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اب رہا عورت کا اذان اور اقامت کہنا یا خطبہ دینا تو اس کے متعلق ابن حزم اپنا قطعی فیصلہ دے چکے ہیں جس کو اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس کے باوجود بعض لوگوں کے دلوں میں چند شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک زبردست شبہ یہ کہ عورت کی آواز خود اس کی ذات کی طرح محرم ہے۔ غیر محرم کو اس کی آواز سننا حرام ہے۔ یہ محض ایک شبہ ہے جس کی کوئی بنیاد یا دلیل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں لڑکیوں اور عورتوں کی آواز کبھی محرم نہیں سمجھی گئی۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرکے آئے تو انصار کی لڑکیاں دف بجا کر خوشی کے گیت گانے لگیں۔ انصار

کی عورتوں نے یہ مشہور گیت گائے تھے :-

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع   وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ : ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے بدر طلوع ہوا ، ہم پر شکر واجب ہے جب تک بلانے والا اللہ کی طرف بلاتا ہے۔
ان گیتوں کو نہ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا بلکہ مدینہ کے تمام مسلمانوں نے سنا ہے اگر عورت کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کو روک دیتے۔

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ کی حدیث ہے ، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو لڑکیاں مل کر دف بجانے لگیں اور وہ اشعار گانے لگیں جو میرے باپ دادا کے مرثیہ میں کہے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان اشعار کو سن رہے تھے ، اور جب لڑکیاں یہ شعر پڑھنے لگیں :-

وفینا نبی یعلم ما فی غد   اور ہمارے اندر ایک نبی ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے۔

تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی ٹوکا اور فرمایا اس طرح مت کہو بلکہ وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھیں۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

عید کے دن ، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس چند لڑکیاں بیٹھ کر جنگ بعاث کے اشعار دف پر گا رہی تھیں ، آپؐ منہ پھیرے ہوئے ان کو سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے ، انھوں نے خفا ہو کر ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور کہا یہ شیطانی گانا اور وہ بھی رسول اللہؐ کے گھر میں ، آنحضرتؐ پلٹ پڑے ، اور کہا اے ابو بکر ان کو چھوڑ دو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین)۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپ کے پاس آتی تھیں اور آپ سے کبھی کبھی بحث و تکرار کرتی تھیں ، خولہ بنت ثعلبہ کو ان کے شوہر نے ماں کی حیثیت دی ، انہوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تمہیں اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیئے ، اس پر جو بحث و تکرار ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتوں میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ جنگوں میں عورتوں نے رجزیہ اشعار پڑھے ہیں۔ یرموک کی لڑائی میں خولہ نے جو رجزیہ اشعار پڑھے تھے اس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ اگر ان کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین ان کو رجزیہ اشعار پڑھنے سے منع فرما دیتے ، یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عورت

کی آواز محرم نہیں ہے اس لئے اس اصول کی بنا پر اگر وہ اقامت یا اذان کہیں تو اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح خطابت کا بھی معاملہ ہے۔ حضرت عائشہؓ ایک جیّد عالم اور فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست خطیب بھی تھیں۔ جنگِ جمل کے موقع پر آپ نے جو شاندار خطبے دیئے ہیں وہ ہمارے عربی ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کی دردناک شہادت کے بعد سیدہ ام کلثوم بنت حضرت علیؓ نے اہلِ کوفہ کو خطاب کرکے جو دل دوز خطبہ دیا تھا وہ بلاغات النساء میں منقول ہے۔ اسی طرح جنگِ صفین میں بعض نامور عورتوں نے جو خطبے دیئے ہیں وہ جمھرۃ خطب العرب میں نقل کئے گئے ہیں۔

جب بنی اُمیّہ کے زمانے میں احنف بن قیس تمیمی کا جنازہ اُٹھایا گیا اور انھیں قبر میں اُتارا گیا تو ان کی چچازاد بہن صفیہ بنت ہشام المنقریہ نے ایک زوردار اور دل دوز خطبہ دیا تھا جو جمھرۃ الخطب کے دوسرے حصے میں صفحہ ۲۴۳ پر منقول ہے۔

ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ام الدرداء تابعی، عابد، عالم اور فقیہہ تھیں۔ وہ جامع دمشق کی شمالی دیوار کی طرف بیٹھ کر حدیث و فقہ کا درس دیا کرتی تھیں، بہت سے لوگ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خود خلیفہ عبدالملک بن مروان ان کے اس درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ۸۱ھ میں انتقال کیا۔ (البدایہ والنہایہ الجزء التاسع صفحہ ۴۷)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عورتیں مجمعِ عام میں کھڑے ہوکر سیاسی خطبے دے سکتی ہیں تو کیا اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے دینی اور اخلاقی خطبے نہیں دے سکتیں؟ اگر کوئی لڑکی جمعہ کے خطبے دیتی ہے تو اس میں کون سی شرعی قباحت لازم آسکتی ہے۔

بے پردگی بداخلاقی کا مترادف نہیں ہے

بے پردگی بداخلاقی کا مترادف نہیں ہے، یہ دونوں لازم اور ملزوم نہیں ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو بے پردہ ہو وہ لازمی طور پر بداخلاق بھی ہو، مرد عورت کے معاملے میں ہمیشہ سوءِ ظن کا شکار رہتا ہے، اس لئے وہ ایک بے پردہ عورت کے متعلق ناروا الفاظ کے استعمال کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ مگر عورت میں قدرتی اور طبعی حفاظت رکھی گئی ہے جس کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

فالصالحات قانتاتٌ حافظاتٌ	پس نیک بیویاں فرماں بردار اور غیب کی حفاظت کرنے
للغیب بما حفظ اللہ (نساء ۳۴)	والیاں ہوتی ہیں اس لئے اللہ نے ان کو محفوظ کر دیا ہے۔

اس وقت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں مسلمان لڑکیاں نہ صرف علومِ جدیدہ میں بلکہ عربی و فارسی اور اُردو زبان میں لڑکوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اب سب لڑکیوں کے متعلق محض بے پردگی کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ بداخلاق ہیں صریح تہمت اور افترا ہے۔ اب رہا بعض کا غلط راہوں پر پڑ جانا، وہ ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ کیا غیر تعلیم یافتہ لڑکیاں کبھی کبھی بُری راہ پر نہیں پڑ جاتیں؟ حالات سے مجبور ہو کر بعض بُری راہ پر پڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ پہلے ان حالات پر قابو پائیں اور ان کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کریں۔

کیا سیکولر حکومت میں مسجدوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟

بعض حضرات کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں مسجدوں کے بنانے پر یہ اعتراض ہے کہ سیکولر حکومت میں سرکاری اداروں میں مسجدوں کے بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اگر مسلمان اپنے اداروں میں مسجدیں بنائیں گے تو آئندہ ہندو اور کرسچین لوگ مندر اور گرجا کے بنانے کا مطالبہ کریں گے اور اس کی وجہ سے مسجدوں کی بے حرمتی ہوگی جس کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بالکل ہی موہوم خطرہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، غیر مسلم قومیں اتنی غیر منصف مزاج نہیں ہیں کہ وہ آئندہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ناجائز قبضہ کریں یا مسجدوں کے ساتھ مندر یا گرجا بنانے پر اصرار کریں، کم از کم جنوبی ہند میں تو یہ صورتِ حال ہرگز نہیں پیدا ہوتی، یہاں کے غیر مسلم مسجد کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں جتنی کہ ہم مسلمانوں کے دلوں میں ہے، یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ ہندو عورتیں عصر اور مغرب اور صبح کی نماز کے وقت اپنے بچوں کو لئے مسجدوں کے سامنے کھڑی رہتی ہیں، تاکہ نمازیوں کی دعا سے ان کے بچے شفا پائیں، مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتنا زبردست سیاسی اختلاف ہونے کے باوجود ہندوؤں کی طرف سے کبھی یہ آواز نہیں اُٹھی کہ ان کی عورتیں مسجدوں کے سامنے نہ کھڑی ہوں، ہر ایک کالج میں غیر مسلم طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس کے باوجود کسی جگہ بھی یہ مطالبہ نہیں ہوا کہ ان مسجدوں کے ساتھ ان کے لئے مندر یا گرجا بھی ہونے چاہئیں، حکومتِ وقت کا رویہ بھی ایک بڑی حد تک غیر متعصبانہ ہی ہے۔ اس کی بکثرت مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مدراس کے قلعہ سینٹ جارج میں حکومت کے اکثر دفاتر موجود ہیں، جہاں بہت سے مسلمان بھی ملازمت کر رہے ہیں۔ ان کے لئے حکومت کی طرف سے ہی ایک جگہ مخصوص کر دی گئی ہے، جہاں وہ پنج وقتہ اور جمعہ کی نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اکونٹنٹ جنرل آفس تینامپیٹ مدراس میں ایک وسیع کمرہ مسلمانوں کے لئے دیا جا چکا ہے جہاں وہ ظہر و عصر اور جمعہ کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مدراس اسٹیٹ

بس ٹرانسپورٹ کے احاطہ میں ایک مسجد موجود ہے جہاں کسی زمانے میں وہ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے جو گورنر مدراس کے باڈی گارڈ کی خدمت پر مامور ہوا کرتے تھے۔ اب بسوں کے مسلمان ملازم وہاں نماز پڑھتے ہیں. فتنہ وفساد کے زمانہ میں بھی غیر مسلم حضرات نے دکانوں اور کارخانوں کو نقصان پہنچانے کی تو کوشش کی ہے۔ مگر مسجدوں پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ مدراس کے مدرسۂ اعظم کے احاطہ میں ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کے ساتھ اب گورنمنٹ آرٹس کالج بھی کام کر رہا ہے، یہ کالج مسلمانوں کے لئے بنا تھا۔ مگر اب یہاں مسلمان طلبہ کی تعداد بالکل گھٹ گئی ہے غیر مسلم طلبہ کا غلبہ ہے۔ اس کے باوجود آج بھی اس مسجد میں باقاعدہ نماز ہو رہی ہے۔ غیر مسلم طلبہ نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں مسجد نہیں ہونی چاہیئے یا اس مسجد کے ساتھ ایک مندر اور گرجا بھی ہونا چاہیئے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس قسم کے فضول اور موہوم خطرات کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں، اور ناواقفوں کے بے جا پروپگنڈے میں نہ آئیں۔

کیا انگریزی کالجوں کی تعلیم لادینی ہے؟

انگریزی مدرسوں اور کالجوں کی تعلیم پر اکثر یہ آوازے کسے جاتے ہیں کہ یہاں لادینیت کی تعلیم ہوتی ہے. یعنی جو بھی ان مدرسوں اور کالجوں میں آکر تعلیم حاصل کرتا ہے بے دین ہوجاتا ہے. ایسا سمجھنا درحقیقت ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے، ان مدرسوں اور کالجوں میں مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم ہوتی ہے جن کی ہماری روزمرہ کی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے، دینِ اسلام ان کے سیکھنے کا ہرگز مخالف نہیں ہے، طلبہ اور طالبات ان زبانوں اور ان علوم وفنون کو اس لئے سیکھتے ہیں کہ ان سے کام لے کر دنیا کی نئی نئی ایجادات واختراعات سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور اپنی قوم وملت اور اپنے ملک و وطن کو فائدہ پہنچائیں، ان کی وہی حیثیت ہے جو کسی زمانہ میں عربی میں علوم متداولہ یعنی تاریخ وجغرافیہ، حساب جبر ومقابلہ، اقلیدس، ہندسہ، علم ہیئت ونجوم، فلسفہ ومنطق وغیرہ کی تھی، شرعی علوم صرف تین ہیں یعنی قرآن وحدیث اور فقہ، ان کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ علوم متداولہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ علوم متداولہ زیادہ تر قیاسی تھے، ان میں اتنی تحقیق وتدقیق نہیں ہوئی تھی جتنی کہ آج ہو گئی ہے، ہر علم اپنی جگہ پر ایک بحرِ ذخار ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کو اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کرنا ہوتا ہے، طلبہ ان علوم کو حاصل کر رہے ہیں تو وہ دینِ اسلام کے خلاف کام نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان علوم سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو اور اپنی قوم وملت اور اپنے ملک و وطن کو بیش بہا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ عربی مدرسوں میں قرآن وحدیث اور فقہ کی کچھ زیادہ تعلیم ہوتی ہے، اگر انہی کو کچھ آسان بنا کر اور مختصر کر کے انگریزی مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم دی جائے تو وہ اچھے شہری ہونے کے ساتھ اچھے مسلمان بھی بن سکتے ہیں۔ جہاں جہاں مسلم کالجوں میں مسجد بنائی گئی ہے اس کا مقصد اتنا ہی ہے کہ

مسلمان طلبہ اور طالبات دینِ اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی خیال کے پیش نظر ایس۔ڈی۔ای۔ٹی ویمنس کالج میں نہ صرف خارجی اوقات میں مذہبی اور دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے بلکہ ان کے لئے ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے جہاں لڑکیاں جمع ہو کر نماز ادا کر سکتی ہیں، اور دینی مسائل کے متعلق مذاکرے کر کے اپنی علمی استعداد کو بڑھا سکتی ہیں۔ اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔

لڑکیوں کی مسجد کے نمایاں فوائد

۱۶ جولائی ۱۹۶۴ء کو اس مسجد کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا قاضی مفتی حبیب اللہ صاحب سر قاضی مدراس کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہٗ العالی نے ۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء کی شام کو اس کا افتتاح فرمایا۔ اس افتتاح پر ابھی چند دن بھی نہیں گزرے ہیں کہ اس کے فوائد نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں، پہلے سے باقاعدہ نماز پڑھنے والی لڑکیوں کو بیحد خوشی اور مسرت ہے کہ ان کی عبادت کے لئے انہیں ایک مستقل جگہ مل گئی، جہاں وہ چند منٹ کے لئے سکون اور آرام کے ساتھ نماز ادا کر سکتی ہیں۔ اب ان لڑکیوں کو بھی اس کی طرف توجہ ہوتی جارہی ہے جو اس سے پہلے باقاعدہ نماز کی عادی نہیں تھیں، یا اپنے غلط ماحول کی وجہ سے نماز پڑھنے کو ایک فضول کام سمجھا کرتی تھیں ان لڑکیوں کو اس مسجد سے ایک دلی محبت ہو گئی ہے، وہ خود یہ سمجھنے لگی ہیں کہ اس کو ہمیشہ آباد رکھنا ان کا فرض ہے۔ انفرادی حیثیت سے ان کو کبھی دینی مسائل پر مذاکرے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب اس پر مذاکرے ہونے لگے ہیں، اور لڑکیوں کے اندر ایک جذبہ اُبھر رہا ہے کہ وہ خود بھی عربی زبان سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں، چنانچہ یہاں کی ایک مسلمان استادنی جو انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں میں ایم۔اے کی اعلیٰ ڈگریاں رکھتی ہے، عربی سیکھنے پر آمادہ ہے۔ اس وقت وہ اسلامیات کے مطالعے میں پوری طرح مصروف ہے، اور ان موضوعات پر زوردار تقریریں بھی کرتی ہے۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ چند برسوں کی محنت سے وہ مدراس یونیورسٹی کا افضل العلماء کا امتحان پاس کر کے رہے گی، اگر وہ ایسا کرے تو یقیناً ایک بڑا معجزہ ہو گا۔ دوسری بہت سی لڑکیاں بھی اس کے نقشِ قدم پر چل کر عربی زبان سیکھیں گی اور قرآن و حدیث اور فقہ سے واقف ہو کر دوسروں کو بھی راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گی۔ اب گویا ان کے لئے ایک بہت بڑا اہم مرکز قائم ہو گیا ہے جہاں وہ اجتماعی طور پر دین و مذہب اسلام کی بھی کچھ نمایاں خدمات کر سکیں گی۔